أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

PD Feb 2026 (*Quranic References*)

استقبال رمضان / حقیقت صیام

Isteqbal-e-Ramadan / Haqeeqat-e Siyam

Ayat No 1

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾

(02*Al Baqarah Verse* 183 البقرہ ایت 02)

Ya ayyuha allatheena amanoo kutiba AAalaykumu alssiyamu kama kutiba AAala allatheena min qablikum laAAallakum tattaqoona

ترجمہ تفہیم القرآن

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔ (183)

O Believers, the Fast has been made obligatory on you just as it was prescribed for the followers of the Prophets before you. It is expected that this will produce piety in you. (Tafheem Translation)

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ البقرۃ 183

اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر سن 2 ہجری میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی وہ روزہ نہ رکھیں، وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی۔ لیکن مریض اور مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لیے، جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے رمضان میں ان سے چھوٹ گئے ہیں۔

تفسیر فی ظلال القرآن

اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرائض اور تکلیفات پر عمل کرنے کے لئے انسان کے نفس کو بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انسان اللہ کی خصوصی امداد کا محتاج ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ ان احکامات پر عمل کرنے کے لئے ان میں اسپرٹ پیدا کی جائے۔ ان کی روح ان احکامات کی طرف مائل ہو جائے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور عمل پر راضی ہو جائے۔ حالانکہ ان احکام پر عمل کرنے میں خود اس کا مفاد مضمر ہے۔ چناچہ اسی خاطر بہت ہی پیاری آواز میں پکارا گیا۔ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو'' غور

کیجئے، یہ آواز انہیں ان کی اصل حقیقت یاد دلاتی ہے۔ پھر روزہ فرض ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے اور یہ تو پہلی امتوں پر بھی فرض ہوتا رہا ہے۔ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ اس کا مقصد اہل ایمان کے دلوں کو صاف کرنا ہے۔ انہیں خوف خدا کے لئے تیار کرنا ہے اور ان میں اللہ کی مشیت کا احساس و شعور بیدار کرنا ہے۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے انبیاء (علیہم السلام) کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔"

اس آیت میں روزے کی اصلی غرض و غایت ظاہر ہو جاتی ہے، یعنی تقویٰ جب ایک مومن اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور اللہ کی رضا کی خاطر روزہ رکھتا ہے تو اس کے دل میں تقویٰ کا شعور اجاگر ہو جاتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو دلوں کا نگہبان ہے اور جو انسان کو روزے کے احکام کی خلاف ورزی سے بچاتا ہے۔ اگرچہ وہ ایسی معصیت سے بھی انسان کو بچاتا ہے، جو کسی حد تک محض وسوسہ ہو۔ قرآن کریم کے اول مخاطب صحابہ کرام اس کے معنی سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ کے ہاں تقویٰ کس قدر وزنی ہے۔ اس لئے تقویٰ ہی ان کا نصب العین تھا۔ وہ برابر اس کی طرف بڑھتے جاتے تھے اور روزہ ذرائع حصول تقویٰ میں سے چونکہ ایک ذریعہ ہے اس لئے یہ فرض کیا گیا۔ دراصل روزہ وہ راہ ہے جس کی آخری منزل تقویٰ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہاں قرآن مجید، ایک بلند مقام پر، بالکل سامنے تقویٰ کا ایک روشن نشان رکھ دیتا ہے اور اہل ایمان کی آنکھیں اس نشانہ پر جم جاتی ہیں اور وہ روزہ کے واسطے اور روزے کی امداد سے وہاں تک پہنچنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ "تاکہ تم ڈرو۔"

Ayat No 2

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ
اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ
خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١٨٤

(02البقرہ ایت 184 *Al Baqarah Verse* 02)

Allath Ayyaman maAAdoodatin faman kana minkum mareedan aw AAala safarin faAAiddatun min ayyamin okhara waAAala allatheena yuteeqoonahu fidyatun taAAamu miskeenin faman tatawwaAAa khayran fahuwa khayrun lahu waan tasoomoo khayrun lakum in kuntum taAAlamoona

ترجمہ تفہیم القرآن

چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دُوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے 184، تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو، تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ تم روزہ رکھو۔ 185

The Fast is to be observed for a fixed number of days. If, however, anyone of you be sick or on a journey, he should fast the same number of other days. As for those who can fast (but do not), the expiation of this shall be the feeding of one needy person for one fast day, and whoso does more than this with a willing heart does it for his own good. But if you understand the thing, it is better for you to observe the Fast. (Tafheem Translation)

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ البقرۃ 184

یعنی ایک سے زیادہ آدمیوں کو کھانا کھلائے، یا یہ کہ روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلائے۔

سورۃ البقرۃ 185

یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے، جو رمضان کے روزوں کے متعلق سن 2 ہجری میں جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات اس کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اور مناسبت مضمون کی وجہ سے اسی سلسلہء بیان میں شامل کر دی گئیں۔

سورۃ البقرۃ 186

"سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کے ساتھ جو صحابہؓ سفر میں جایا کرتے تھے، ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا ہے۔ ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بدحال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا روزے سے ہے۔ فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔ جنگ کے موقع پر تو آپ حکماً روزے سے روک دیا کرتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ رمضان میں جنگ پر گئے۔ پہلی مرتبہ جنگ بدر میں اور آخری مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر، اور دونوں مرتبہ ہم نے روزے چھوڑ دیے۔ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے فرمادیا تھا کہ انہ یوم قتال فافطروا۔ دوسری روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ انکم قد دنوتم من عدوکم فافطروا اقوی لکم۔ یعنی دشمن سے مقابلہ درپیش ہے، روزے چھوڑ دو تاکہ تمہیں لڑنے کی قوت حاصل ہو۔ عام سفر کے معاملے میں یہ بات کہ کتنی مسافت کے سفر پر روزہ چھوڑا جا سکتا ہے، حضُور ﷺ کے کسی ارشاد سے واضح نہیں ہوتی اور صحابہ کرامؓ کا عمل اس باب میں مختلف

ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جس مسافت پر عرف عام میں سفر کا اطلاق ہوتا ہے اور جس میں مسافرانہ حالت انسان پر طاری ہوتی ہے، وہ افطار کے لیے کافی ہے۔ یہ امر مُتَّفَق علیہ ہے کہ جس روز آدمی سفر کی ابتدا کر رہا ہو، اس دن کا روزہ افطار کر لینے کا اس کو اختیار ہے۔ چاہے تو گھر سے کھانا کھا کر چلے، اور چاہے تو گھر سے نکلتے ہی کھا لے۔ دونوں عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ یہ امر کہ اگر کسی شہر پر دشمن کا حملہ ہو، تو کیا لوگ مقیم ہونے کے باوجود جہاد کی خاطر روزہ چھوڑ سکتے ہیں، علما کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض علما اس کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر علامہ ابن تیمیّہ نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ فتویٰ دیا تھا کہ ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

بات کا دوسرا رخ دیکھئے، کہا جاتا ہے! یہ تو چند دن ہیں پوری عمر کے روزے تو فرض نہیں کئے گئے۔ تمام زمانے کے لئے تو فرض نہیں ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ کہ بیمار اس وقت تک مستثنیٰ جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائیں۔ مسافروں پر اس وقت تک لازم نہیں جب تک گھر نہ لوٹ آئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور سہولت اور تخفیف خاص رعایت دی گئی ہے۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ"

"چند مقرر دنوں کے روزے ہیں، اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے۔"

سفر اور مرض کے اعتبار سے آیت کا مفہوم عمومیت کا حامل ہے۔ اسے محدود نہ کیا جائے۔ بیماری کی نوعیت کیسی بھی ہو، جس قسم کا سفر درپیش ہو روزہ قضا کرنا جائز ہے۔ لیکن سفر ختم ہونے کے بعد اور بیماری دور ہونے کے بعد چھوڑے ہوئے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ آیت میں بیماری کی شدت اور سفر کی مشکلات کو اس رخصت کا سبب

نہیں بنایا گیا۔ صرف ''مرض'' اور ''سفر'' کا علی العموم ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے لئے مشکلات پیدا نہ ہوں اور سہولت رہے۔ اب اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مرض اور صرف سفر کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ کوئی قید نہیں لگائی؟ یہ صرف اللہ جانتا ہے، ہو سکتا ہے کہ بیماری اور سفر میں کچھ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہوں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے کہ سفر اور بیماری میں کچھ ایسی مشکلات ہوں جن کا احساس ہمیں نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی اصل علامت کو ظاہری نہیں سمجھا تو ہمیں اس بارے میں تاویلات کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال ہمیں ان کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔ یہ عقیدہ ضرور رکھتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی حکمت و مصلحت ضرور ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ رخصت مرض و سفر کی اس تعبیر سے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو گی جو ہر وقت دین میں رخصت و سہولت کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کیا کسی ادنیٰ سبب بلا وجہ ہم فرض عبادات کو ترک کر دیں؟ یہی تو وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے سختی کر کے اس رخصت سے استفادہ پر قیود و شروط عائد کی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ استدلال ایک ضعیف استدلال ہے۔ محض اس کی وجہ سے اور صرف اس استدلال کی بنا پر ایک مطلق آیت کو مقید کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر ان کو عبادات پر مجبور کرنا اسلام کی مستقل پالیسی نہیں۔ اسلام تقویٰ کے ذریعہ عبادات میں کشش پیدا کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ روزہ تو ہے ہی وہ عبادت جس کا مقصد صرف تقویٰ ہے۔ جس شخص کی حالت یہ ہے کہ وہ رخصتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عبادات سے پیچھا چھڑاتا ہے، وہ تو پہلے ہی بھلائی سے محروم ہے۔ وہ اگر روزہ رکھ بھی لے تو وہ مقصد پورا نہ ہو گا جو فرضیت صیام کا اصل مطالبہ ہے۔ پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ دین لوگوں کا ہے یا اللہ تعالیٰ کا؟ دین اللہ کا ہے اور وہ رخصت اور نرمی اور عزیمت و تشدد کے مقامات کو خوب جانتا ہے۔ بعض اوقات رخصت سے ایسے مقاصد کا حصول پیش نظر ہوتا ہے جو رخصت کے بغیر کسی طرح حاصل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو رعایتیں دی ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ ان سے استفادہ کریں۔ خصوصاً ایسے دور میں جب مسلمانوں کی اخلاقی اور دینی حالت تباہ و برباد ہو چکی ہو تو ایسے حالات میں احکام میں تشدد، اصلاح احوال کے لئے مفید نہیں ہوتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ نرمی اور آسانی سے لوگوں کو

اخلاقی تربیت دی جائے،اوران کے دلوں اوران کی روح میں خوف خدا کونئے سرے سے زندہ کیا جائے۔اگر یہ بات درست ہے تو پھر میں کہوں گا کہ امت کے عمومی فساد کے وقت احکام میں تشدد کرنا غیر موثر علاج ہے۔اس سے ذرائع اصلاح بند ہو جاتے ہیں۔یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عبادات کے فرائض اور معاملات کے احکام میں بہت بڑا فرق ہے۔عبادات میں معاملہ صرف بندے اور اس کے رب کا ہوتا ہے۔اس میں عوام الناس کا براہ راست فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا۔جبکہ معاملات میں شریعت معاملے کے ظاہری پہلوپر نظر رکھتی ہے۔رہی عبادات توان کی ظاہری صورت اس وقت تک مفید نہیں ہوتی جب تک ان کی تہہ میں تقویٰ نہ ہو۔اگر دل میں تقویٰ ہو تو کوئی شخص ادھر ادھر نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔اور ایک متقی شخص صرف اس رخصت سے فائدہ اٹھائے گا جس پر اس کا دل مطمئن ہو گا کہ رخصت سے فائدہ اٹھانے ہی میں اللہ کی رضااور اطاعت ہے۔عبادات کے احکام میں سختی کرنا یا تنگی پیدا کرنے کی سعی کرنا،یعنی اللہ تعالیٰ نے جن احکام کو عام چھوڑا ہے،ان پر قیود کا اضافہ کرنا،بعض اوقات عوام کے لئے سخت مشکلات توپیدا کر دیتا ہے لیکن اس سختی کے نتیجے میں کج رو افراد میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔اس لئے ہر حال میں بہتر رویہ یہ ہے کہ ہم معاملات کو اس طرح لیں جس طرح اس دین میں اللہ تعالیٰ نے طے کر دیئے ہیں۔رخصتوں اور عزائم میں جو حکمتیں ہیں ان کے متعلق ہم سے اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔میں سمجھتا ہوں اس نکتے پر جو کچھ کہہ دیا گیا وہ کافی وشافی ہے۔اب ہم چاہتے ہیں کہ حالات سفر کے بارے میں جو متعدد احادیث مروی ہیں،وہ سب یہاں نقل کر دیں۔ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں افطار کی طرف میلان جاتا ہے۔بعض ایسی ہیں جن میں روزہ توڑنے سے منع نہیں کیا گیا۔ان سب روایات پر غور کرنے سے وہ نقشہ ذہن نشین ہو جاتا ہے،جس پر صحابہ کرام کا تعامل تھا۔متاثرین فقہاء نے جو سختیاں کی ہیں ان سے پہلے اس معاملے میں سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل بمقابلہ متاخرین فقہاءاور ان کے فقہی بحوث کے،دین اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے زیادہ قریب تھا۔صحابہ کرامؓ کی زندگیوں اور ان کے طرز عمل کے مطالعہ سے اسلامی نظریہ حیات اور اس کی خصوصیات کا ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔۔

(1) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال، ماہ رمضان میں، جانب مکہ نکلے۔ آپ ﷺ نے روزہ رکھا۔ جب آپ ﷺ ''کراع الغمیم تک پہنچے تو لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا۔ اس پر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اسے اتنا اٹھایا کہ لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اسے نوش فرمایا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ''بعض لوگ تو روزے سے ہیں۔'' آپ نے فرمایا! ''یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں۔'' (مسلم۔ ترمذی)۔

(2) حضرت انسؓ سے روایت ہے: ''ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ہم میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض نے افطار کیا تھا۔ سخت گرم دن تھا۔ ہم ایک جگہ ڈیرہ ڈالا۔ سب سے زیادہ سایہ اس کا تھا جس کے پاس چادر تھی ۔ ہم میں سے بعض ایسے تھے کہ وہ ہاتھ کا سایہ کرکے اپنے آپ کو سورج کی تپش سے بچاتے تھے۔ روزہ دار تو گر پڑے اور جن کا روزہ نہ تھا وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے خیمے لگائے، جانوروں کو پانی پلایا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج تو افطار کرنے والوں نے ثواب لوٹ لیا۔'' (بخاری۔ مسلم۔ نسائی)۔

(3) حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: رسول ﷺ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص کے پاس لوگ جمع ہیں اور اس پر سایہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''اسے کیا ہو گیا ہے؟'' لوگوں نے بتایا ''یہ ایک روزہ دار ہے۔'' اس پر رسول ﷺ نے فرمایا ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔'' (امام مالک، امام بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)۔

(4) عمرو بن امیہ ضمری رضی عنہ سے روایت ہے۔ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوامیہ کھانے کا انتظار کرو۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول میں تو روزے سے ہوں۔'' آپ نے فرمایا تو پھر سنئے مسافر سے متعلق: ''اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ معاف فرمایا ہے اور نصف نماز معاف فرمادی ہے۔'' (نسائی)۔

(5) انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایک حصہ مسافر کے لئے معاف فرمادیا ہے۔ سفر میں اس کے لئے افطار کی رخصت ہے۔ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لئے بھی یہی رخصت ہے، اگر بچے کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو۔'' (روایت سنن)۔

(6) ضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں: ''حمزہ بن عمرا سلمی رسول اللہ ﷺ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا۔ یہ صاحب بہت روزے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ''چاہو تو روزہ رکھو چاہو تو افطار کرو۔''۔

(7) حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض نے افطار کیا تھا۔ نہ روزہ دار افطار کرنے والے پر نکتہ چینی کرتا اور نہ افطار کرنے والا روہ رکھنے والے کے طرز عمل کو معیوب سمجھتا۔'' (روایت مالک، مسلم، بخاری، ابوداؤد)۔

(8) حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں شدید گرمی میں نکلے۔ گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم تپش سے بچنے کے لئے سر پر ہاتھ رکھ دیتے۔ ہم سب میں صرف رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابن رواحہؓ روزے سے تھے۔'' (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد)۔

(9) حضرت محمد بن کعب سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''میں رمضان میں انس بن مالکؓ کے پاس آیا۔ آپ سفر پر نکلنے والے تھے۔ سواری تیار تھی۔ آپ نے سفر کا لباس پہن رکھا تھا۔ آپ نے کھانا منگوایا اور کھایا۔ سب نے کہا: کیا یہ سنت ہے؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں!'' اس کے بعد سوار ہو گئے۔'' (ترمذی)۔

(10) عبیدؓ بن حبیرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''میں رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی ابو بصرہ غفاریؓ کے ساتھ کشتی میں تھا، ماہ رمضان میں کشتی کو پانی میں ڈال دیا گیا اور کھانا ان کے قریب لایا گیا۔ انہوں نے فرمایا: ''قریب ہو جایئے۔'' میں نے عرض کیا: ''آپ نہیں دیکھ رہے کہ مکانات ابھی نظر آتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''کیا تم رسول اللہ ﷺ کی سنت سے منہ پھیرتے ہو؟'' چنانچہ انہوں نے بھی کھانا کھایا اور میں نے بھی کھایا۔'' (ابوداؤد)۔

(11) منصور مکی سے روایت ہے کہ حضرت دحیہ ابن خلیفہؓ اپنے نواح دمشق کے ایک گاؤں سے ماہ رمضان میں سفر پر نکلے۔ سفر اس قدر تھا جس طرح فساط گاؤں سے عقبہ گاؤں ہے اور یہ فاصلہ بقدر تین میل ہے۔ آپ نے افطار کیا۔ آپ کے ساتھ بیشمار لوگوں نے افطار کر لیا، لیکن بعض دوسرے لوگوں نے روزہ افطار کرنے میں کراہت محسوس کی۔ جب وہ اپنے گاؤں لوٹے تو فرمایا: ''اللہ کی قسم میں نے آج وہ بات دیکھی ہے جو کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ لوگوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی سنت سے منہ پھیر لیا ہے۔ اے اللہ مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔'' (روایت ابوداؤد)

ان تمام احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوشگوار اور آرام دہ سفر میں بھی رخصت افطار کو قبلیت حاصل ہوئی ہے بلکہ افطار کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور رخصت پر عمل کرنے کے لئے سفر کی مشقت یا دشواری کو ضروری شرط نہیں قرار دیا گیا جیسا کہ آخری دو احادیث میں سے خاص طور پر معلوم ہوتا ہے۔ آٹھویں حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ

اور عبیداللہ بن رواحہؓ کے سوا کسی اور کا روزہ نہ تھا۔ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات میں آپ ﷺ کی لئے بعض خصوصیات ایسی تھیں جو امت کے لئے نہ تھیں۔ مثلاً ''لگاتار روزہ'' رکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا حالانکہ آپ کبھی کبھی ''لگاتار'' روزے رکھتے تھے۔ (''لگاتار'' کا مطلب یہ ہے ایک دن کا روزہ دوسرے دن سے بلا افطار مل جائے) صحابہ کرام نے اس سلسلے میں آپ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا! ''میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے میرا رب ہر وقت کھلاتا پلاتا رہتا ہے۔'' (بخاری۔ مسلم) پھر پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ نے افطار فرمایا اور جنہوں نے افطار نہ کیا تھا ان کے بارے میں فرمایا! ''یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں۔'' پھر یہ حدیث بھی سب احادیث سے متاخر کیونکہ یہ فتح مکہ کے سال کا واقعہ ہے، چناچہ اس میں جو حکم ہے وہ سب سے آخر میں ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پسندیدہ عمل طرز عمل کیا ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے پردہ احساس جو تصویر ابھرتی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کے وقت کچھ مخصوص واقعات تھے، جن میں ایک متعین حکم دینا ضروری تھا۔ رسول ﷺ ملت اسلامیہ کی تربیت فرما رہے تھے۔ آپ کو ایک زندہ اور متحرک صورت حال سے واسطہ تھا۔ محض جامد اور غیر متحرک بتوں سے واسطہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک عام موضوع کے متعلق جو احادیث وارد ہوتی ہیں ان میں احکام وہدایات میں تنوع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ احکام موقع و محل کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔ تمام حالات واحادیث کو پیش نظر رکھ کر جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزے کے مقابلے میں افطار زیادہ افضل ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ عملاً مشقت موجود ہے یا نہیں۔ رہی بیماری، تو اس کے بارے میں قوال فقہاء کے علاوہ مجھے کچھ نہیں ملا۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ حالت ہے جس پر مرض اور بیماری کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ اس کی نوعیت، اس کی مقدار اور اس کی شدت وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ بیماری اور سفر میں دن کے بدلے قضا کرنی ہو گی اور قضا لوٹانے میں بھی راجح مذہب یہ ہے کہ دنوں کی تعداد پوری کرنی ہے۔ ضروری نہیں کہ روزے مسلسل ہوں۔ ان تفصیلات کا ذکر میں نے اس غرض سے نہیں کیا کہ میں فقہی اختلافات میں کوئی خاص دلچسپی رکھتا ہوں۔ میرا مقصد

صرف اس بنیادی اصول کی وضاحت ہے جس کے مطابق اسلامی عبادات کو دیکھنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ ان کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا یہ کہ انسان کے ذہن میں ایک ایسی شعوری حالت پیدا ہو جائے، جو انسان کے طرز عمل پر اثر انداز ہو۔ یہی وہ حالت ہے جس کا اثر انسان کے طرز عمل پر ہوتا ہے اور اسی سے انسان کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ عبادات میں خشوع کا مطلب ہے دل کا اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ اور گداختہ ہو جانا اور پوری زندگی میں حسن و سلوک اور بہتر طرز عمل صرف اسی شعوری حالت کے نتیجے میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ایک پہلو ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم اس دین کو اسی طرح قبول کریں جس طرح وہ ہے۔ پورے فرائض و تکالیف کے ساتھ۔ اطاعت و خشیت کے ساتھ۔ اس کی عزیمتوں پر عمل کریں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ پوری ہم آہنگی سے، اطمینان قلب کے ساتھ، اس کی حکمتوں پر یقین رکھتے ہوئے اور اللہ خوفی کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے۔ اس بحث کے بعد اب پھر سیاق کلام کو لیجیئے!

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

"اور جو لوگ مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لئے بہتر ہے۔ لیکن تم اگر سمجھو۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔"

روزہ سنہ 2 ہجری میں جہاد کی فرضیت سے کچھ پہلے فرض ہوا۔ پہلے پہل روزہ کی تکلیف مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے کھلی چھوٹ دے دی، جو مشکل سے روزہ رکھ سکتے تھے، (یطیقونہ کے معنی ہیں جو مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں۔ الاطاقہ کے معنی عربی میں مشکل اٹھانے کے ہوتے ہیں۔ رخصت یہ دے دی کہ ایسے لوگ افطار کر لیں مگر انہیں ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا۔ اس کے بعد انہیں ترغیب دی کہ وہ مساکین کے ساتھ مزید بھلائی کریں مثلاً یہ کہ بغیر فدی کی مقرر حد سے زیادہ مساکین کو کھانا کھلائیں۔ مثلاً رمضان شریف کے ایک روزے کے بدلے اگر تین، چار یا اس سے بھی زیادہ افراد کو کھانا دیں فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ''اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے حق میں اچھا ہے۔''

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ''لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔''

کیونکہ ایسے حالات میں روزہ رکھنا بہت بڑی بھلائی ہے۔ایسے حالات میں روزہ رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ دار پختہ ارادے کا مالک ہے۔اس کے اندر قوت برداشت موجود ہے اور وہ اپنے آرام کو اللہ کی بندگی کے لئے قربان کر سکتا ہے۔اور یہ تمام امور جو اسلام کی نظام تربیت کے مقاصد اولیہ ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے علاوہ دوسرے لوگ اگر جبر و مشقت کے ساتھ روزے رکھیں تو اس میں ان کے لئے جسمانی فائدہ بھی ہے۔

Ayat No 3

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ
بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ
اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵

(02*Al Baqarah Verse* 185 البقـــرہ ایت 02)

Shahru ramadana allathee onzila feehi alquranu hudan lilnnasi wabayyinatin mina alhuda waalfurqani faman shahida minkumu alshshahra falyasumhu waman kana mareedan aw AAala safarin faAAiddatun min ayyamin okhara yureedu Allahu bikumu alyusra wala yureedu bikumu alAAusra walitukmiloo alAAiddata walitukabbiroo Allaha AAala ma hadakum walaAAallakum tashkuroona

ترجمہ تفہیم القرآن

رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اُس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دُوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔186 اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔187

Ramadan is the month in which the Qur'an was sent down: this Book is a perfect guidance for mankind and consists of clear teachings which show the right way and are a criterion of Truth and falsehood. Therefore from now on whoever witnesses it, it is obligatory on hire to fast the whole month, but if one be ill or on a journey, he should make up for the same number by fasting on other days. Allah desires to show leniency to you and does not desire to show any hardship. "therefore this method is being shown to you so that you may complete the number of Fast days and glorify Allah for the Guidance He has shown to you and be grateful to Him. (Tafheem Translation)

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ البقرۃ 187

یعنی اللہ نے صرف رمضان ہی کے دنوں کو روزوں کے لیے مخصوص نہیں کر دیا ہے، بلکہ جو لوگ رمضان میں کسی عذر شرعی کی بنا پر روزے نہ رکھ سکیں، ان کے لیے دوسرے دنوں میں اس کی قضا کر لینے کا راستہ بھی کھول دیا ہے تاکہ قرآن کی جو نعمت اس نے تم کو دی ہے، اس کا شکر ادا کرنے کے قیمتی موقع سے تم محروم نہ رہ جاؤ۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ رمضان کے روزوں کو صرف عبادت اور صرف تقویٰ کی تربیت ہی نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ انہیں مزید براں اس عظیم الشان نعمت ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ٹھیرایا گیا ہے، جو قرآن کی شکل میں اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دانشمند انسان کے لیے کسی نعمت کی شکر گزاری اور کسی احسان کے اعتراف کی بہترین صورت اگر ہو سکتی ہے، تو وہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار کرے، جس کے لیے عطا کرنے والے نے وہ نعمت عطا کی ہو۔ قرآن ہم کو اس لیے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں۔ اس مقصد کے لیے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا نزول قرآن کے مہینے میں ہماری روزہ داری صرف عبادت ہی نہیں ہے، اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ خود اس نعمت قرآن کی بھی صحیح اور موزوں شکر گزاری ہے۔

بہر حال یہ آیت ایک تمہید تھی۔اور جیسا کہ دوسری آیت میں ذکر ہوا،اصل مقصد یہ تھا کہ تندرست اور مقیم پر بتدریج روزے کو علی الاطلاق فرض کر دیا جائے۔ہاں البتہ یہ حکم ایسے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے اب بھی باقی ہے جن کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہو اور امید بھی نہ ہو کہ وہ پھر سے تندرست ہو کر روزہ رکھنے کے قابل ہو سکیں گے۔امام مالک (رح) فرماتے ہیں کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کافی بوڑھے ہو گئے تھے اور ان میں روزہ رکھنے کی قدرت ہی نہ تھی۔اس لئے ان کی جانب سے فدیہ دیا جاتا تھا۔ (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔یہ اس بوڑے مرد اور اس بوڑھی عورت کے لئے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ان پر فرض ہو گا کہ وہ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں ۔ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے۔کہتے ہیں: میں رمضان شریف میں عطاء کے پاس گیا۔دیکھتا ہوں کہ کھانا کھا رہے

منسوخ ہو گی۔البتہ نہایت بوڑھے شخص کے لئے اب بھی یہ رخصت ہے کہ وہ اگر چاہے تو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا کر افطار کرے۔غرض اگلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تندرست اور گھر میں مقیم شخص سے یہ رخصت اٹھالی گئی ہے۔اور آنے والی آیت

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ "تم میں سے جو بھی اس مہینے کو پائے اس کے پورے روزے رکھے۔"

نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔تندرست اور مقیم شخص کو اب دوبارہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ضرور روزے رکھے۔یہ رمضان شریف کے روزے ہیں۔یہ وہ مہینہ ہے۔جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے۔

رمضان میں قرآن کا آغاز ہوا یا یہ کہ اس کا زیادہ حصہ رمضان شریف میں نازل ہوا۔ قرآن اس امت کے لئے دائمی کتاب ہے۔ قرآن ہی نے تو اس امت کو گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر روشنی بخشی اور اسے اس عظیم الشان عروج تک پہنچایا۔ خوف کے بدلے اسے چین نصیب ہوا۔ اسے اس کرہ ارض پر تمکنت بخشی۔ اسے ایسے مقومات اور ایسے عناصر دیئے جن کی بنیاد پر وہ ایک امت قرار پائی۔ حالانکہ قرآن سے پہلے وہ کیا تھی؟ کچھ نہ تھی اور اب بھی اس قرآن کے بغیر اس کرہ ارض پر، اس امت کا مقام ہی کیا رہتا ہے؟ اس کے بغیر تو وہ امت ہی نہیں رہتی۔ نہ زمین پر اس کا کوئی مقام ہوگا نہ آسمان میں اس کا کوئی ذکر ہوگا۔ لہٰذا انعامات کا کم از کم شکریہ ہے کہ مسلمان شہر رمضان میں روسے سے ہوں، جس میں یہ قرآن نازل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔"

یہ آیت روزے کو مطلقاً فرض کر دیتی ہے اور تندرست اور مقیم سے افطار کی رخصت واپس لے لی جاتی ہے۔ اب وہ فدیہ دے کر افطار نہیں کر سکتے۔ ماسوائے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے، جس طرح کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

"لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔"

یعنی جو اس مہینے کو پائے اور مسافر نہ ہو۔۔ جو شخص ماہ رمضان کا چاند دیکھ لے۔ اگر کسی کو چاند ہونے کا یقین ہو جائے چاہے جس ذریعہ سے بھی، تو اسپر بھی روزہ اس طرح فرض ہے جو طرح چاند دیکھنے والے پر فرض ہے۔ چونکہ یہ آیت بھی عمومیت کی حامل ہے، اس لئے یہاں مریض اور مسافر کے لئے دوبارہ استثنائی دفعہ تجویز کی گئی۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

"اور جو مریض ہو یا سفر پر وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔"

اب تیسری مرتبہ پھر اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی ترغیب دی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ روزے کی فرضیت بھی ایک رحمت ہے اور افطار کے لئے رخصت بھی ایک رحمت

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ "اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔"

غرض اسلامی نظریہ حیات میں تمام عبادات وفرائض کا اصل الاصول یہ ہے کہ معاملات میں نرمی ہو اور ضرورت سے زیادہ سختی نہ ہو۔ یہ عبادات ایسی ہیں کہ جس دل میں صحیح ذوق پیدا ہو جائے، اسے یہ شعور ملتا ہے کہ وہ پوری زندگی کے معاملات میں نرم رویہ اختیار کرے سختی نہ کرے۔ ان کے نتیجے میں ایک مسلمان میں سادگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی پاک ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی تکلف نہیں ہوتا، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہوتی۔ یوں نظر آتا ہے کہ ایک مسلمان کی پوری زندگی فرائض وواجبات کی ادائیگی، عملی زندگی کے پورے معاملات میں، ایک سیل رواں کی طرح جاری وساری ہیں۔ اس کی زندگی اس طرح غیر محسوس طور پر، اطمینان، یقین اور تسلیم ورضا کے ساتھ ترقی کر رہی ہوتی ہے جس طرح ایک درخت بڑھتا رہتا ہے اور یہ شعور ہر جگہ مومن کے ساتھ ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت کے لئے اجر عبادت سے محروم ہی نہ ہو جائے۔

وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ

"اور جس ہدایت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں سر فراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔"

اس فرئضہ کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دلوں میں اس ہدایت و راہنمائی کی قدر و قیمت کا صحیح شعور پیدا ہو جائے، جو اللہ تعالیٰ نے انتہائی سہولت اور فراوانی سے انہیں فراہم کر دی ہے اور ان کی حالت یہ ہو جائے کہ دوسرے ایام کے مقابلے میں ماہ صیام میں، ان کے دلوں میں دین کا شعور زیادہ پختہ ہو۔ ان کے دل معصیت اور گناہ کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیں۔ ان کے اعضاء معصیت کے ارتکاب کے لئے تیار ہی نہ ہوں۔ وہ اس طرح لگیں کہ اللہ کی ہدایت کو محسوس کر رہے ہیں، بلکہ اسے چھو رہے ہیں۔ ان کے دل اس اطاعت و بندگی کے ساتھ اللہ کی طرف مائل ہوں جیسا کہ رمضان شریف کی بحث کے آغاز میں کہا گیا۔

لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ "اس امید پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔"

روزہ جو بادی النظر میں جسم و بدن کے لئے شاق و دشوار نظر آتا ہے دراصل اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے تربیتی مقاصد کیا ہیں۔ اور یہ کہ اس تربیت کے ذریعے ایک مومن کو اس عظیم کردار کے لئے تیار کیا جا رہا ہے جس کے لئے اس امت کو برپا کیا گیا ہے تاکہ وہ نہایت ہی خدا خوفی سے، اللہ کی نگرانی اور ایک زندہ ضمیر کے ساتھ اس فرض کو ادا کرے۔ اس سے پہلے کہ روزے کے تفصیلی احکام بیان ہوں، یعنی کس وقت سے کس وقت تک روزہ ہو اور اس میں کیا جائز ہے اور کیا منع ہے، ہم روزے کی برکات کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ روزے کی مشقتوں کے عوض اللہ ہمیں پورا پورا معاوضہ عطا کرتا ہے۔ یہ معاوضہ اور صلہ کیا ہے؟ اللہ کا قرب اور دعاؤں کی قبولیت۔ ذرا قرآن کے الفاظ کو دیکھئے۔

Ayat No 4

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ
لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶

(02*Al Baqarah Verse* 186 البقرہ ایت 02)

Waitha saalaka AAibadee AAannee fainnee qareebun ojeebu daAAwata alddaAAi itha daAAani falyastajeeboo lee walyuminoo bee laAAallahum yarshudoona

ترجمہ تفہیم القرآن

اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو اُنھیں بتا دو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں 188 یہ بات تم اُنھیں سُنا دو شاید کہ وہ راہِ راست پا لیں۔ 189

And if My servants ask you, O Prophet. concerning Me, tell them that I am quite near to them. I hear and answer the prayer of the suppliant, when he calls to Me. So let them respond to My call and believe in Me. Convey this to them, O Prophet; perhaps they may be guided aright. (Tafheem Translation)

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْبَقَرَة 188

یعنی اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے، مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے، حتّٰی کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں، فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے الٰہ اور رب قرار دے رکھا ہے، ان کے پاس تو تمہیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں، اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت میں آ جاؤ۔

سورۃ الْبَقَرَة 189

یعنی تمہارے ذریعے سے یہ حقیقت حال معلوم کر کے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اس صحیح رویے کی طرف آ جائیں، جس میں ان کی اپنی ہی بھلائی ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

''میں قریب ہوں۔'' پکارنے والا جب بھی مجھے پکارے میں اس کی پکار سنتا ہوں۔ کیا نرمی ہے؟ ذرا نظر کرم ملاحظہ ہو؟ الفاظ و معانی کی صفائی دیکھو! انس و محبت دیکھو! روزے کی تکالیف کیا۔ بلکہ تمام عبادات کی تکالیف مشقتیں اس قریب و محبت کے مقابلے میں کہاں رہتی ہیں؟ اس انس اور محبت کے ٹھنڈے سایے میں احساس مشقت کہاں باقی رہتا ہے؟

اس آیت کے لفظ لفظ پر انس و محبت کی تازہ شبنم ہے۔ ''میرے بندے! اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادیجئے کہ میں تو ان سے قریب ہوں پکارنے والا جب پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔''

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

عجیب آیت ہے یہ! "لہٰذا انہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں شاید وہ راست پالیں۔" تسلیم و رضا اور ایمان باللہ کا آخری فائدہ بھی بندوں کا ہے یعنی ہدایت و راہنمائی اور اصلاح حال۔ خود اللہ کو ایمان اور بندگی سے کیا فائدہ۔ وہ تو دونوں جہانوں سے مستغنی ہے۔

غرض ہدایت وہی ہے جو اللہ پر ایمان اور اللہ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ صرف اسلامی نظام ہی انسان کو راہ ہدایت دے سکتا ہے اور اسلامی نظام ہی صحیح راہ ہے۔ اس کے علاوہ تمام نظام عین جاہلیت ہیں۔ عین حماقت ہیں۔ کوئی حق پسند ان پر راضی نہیں ہو سکتا۔ نہ ان نظاموں کے ذریعے انسان راہ ہدایت پاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمان برداری بھی تب ہی ممکن ہے کہ جب لبیک کہنے والا راہ ہدایت پر ہو۔ متلاشیان راہ حق کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکاریں، لیکن قبولیت دعا میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکیمانہ مصلحتوں کے مطابق اور ہر پکار کا جواب اپنے وقت اور مناسب انداز میں دیتے ہیں۔

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے ابن میمون کی حدیث اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے سامنے اگر کوئی ہاتھ پھیلائے اور اللہ سے خیر کا طلب گار ہو تو اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو نامراد لوٹانے سے بہت حیاء کرتے ہیں۔"

ترمذی نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے ذریعہ سے ابن ثوبان کی حدیث اپنی سند سے اور اسی حدیث کو عبداللہ بن امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ ابن الصامت سے روایت کیا ہے۔ دونوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس روئے زمین پر جو شخص بھی اللہ کو پکارے اور کوئی خیر طلب کرے، اللہ تعالیٰ یا تو اس کو وہ چیز عطا کر دیتا ہے یا اس مطلوب کے مطابق اس سے کوئی درپیش آنے والی مصیبت کو دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کسی بری چیز یا قطع صلہ رحمی کا طالب نہ ہو۔''

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری دعا قبول نہ ہو گی بشرطیکہ تم نے جلد بازی نہ کی۔ مثلاً کوئی کہے: ''میں نے تو اللہ کو بہت پکارا مگر میری دعا قبول نہ کی گئی۔"

صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " بندے کی دعا ضرور قبول ہو گی بشرطیکہ وہ گناہ قطع رحمی کا طلب گار نہ ہو اور جلد بازی نہ کرے۔ صحابہؓ نے فرمایا رسول اللہ! جلد بازی کیسے ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہے کہ میں نے بار بار اللہ کو پکارا، مجھے یقین نہیں ہے کہ میری دعا قبول ہو گی۔ یوں وہ دعا چھوڑ کر خسارے میں پڑ جائے۔"

روزہ دار تو ہوتا ہی مستجاب الدعوات ہے۔ امام ابو داؤد (رح) اپنی مسند میں، اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''افطار کے وقت ہر روزہ دار ایک دعا کی قبولیت کا حق دار ہوتا ہے۔'' چناچہ عبداللہ بن عمرؓ جب بھی افطار کرتے تو اہل خاندان کو بلاتے اور دعا کرتے۔

ابن ماجہ نے اپنے سنن میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''ہر روزہ دار کے لئے افطار کے وقت ایک دعا کی قبولیت کا حق ہے۔''

مسند احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔ امام عادل، روزہ دار یہاں تک کہ افطار کرے اور مظلوم کی پکار۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے بادلوں کے اوپر اٹھائے گا اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میری عزت کی قسم میں ضرور تمہاری امداد کروں گا اگرچہ قدرے دیر سے۔'' یہی وجہ ہے کہ ذکر صیام میں دعا کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔

اب اہل ایمان کے لئے روزے کے ضروری احکام بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ روزہ دار کو اس بات کی اجازت مل جاتی ہے کہ ماہ رمضان میں مغرب سے لے کر طلوع فجر تک اپنی بیویوں کے پاس جا سکتے ہیں، اسی طرح اس عرصہ میں کھانا بھی کھا سکتے ہیں۔ روزے کا وقت بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ اسی طرح مدت اعتکاف کے دوران بیویوں کے پاس جانے کا حکم بھی دے دیا جاتا ہے۔

Ayat No 5

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ
وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ
وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝١٨٧

(02البقرہ ایت 187 *Al Baqarah Verse* 02)

Ohilla lakum laylata alssiyami alrrafathu ila nisaikum hunna libasun lakum waantum libasun lahunna AAalima Allahu annakum kuntum takhtanoona anfusakum fataba AAalaykum waAAafa AAankum faalana bashiroohunna waibtaghoo ma kataba Allahu lakum wakuloo waishraboo hatta yatabayyana lakumu alkhaytu alabyadu mina alkhayti alaswadi mina alfajri thumma atimmoo alssiyama ila allayli wala tubashiroohunna waantum AAakifoona fee almasajidi tilka hudoodu Allahi fala taqrabooha kathalika yubayyinu Allahu ayatihi lilnnasi laAAallahum yattaqoona

ترجمہ تفہیم القرآن

تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے۔ 190 اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چُپکے چُپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اُس نے تمہارا قصُور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لُطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے، اُسے حاصل کرو۔ 191 نیز راتوں کو کھاؤ پیو 192 یہاں تک کہ تم کو سیاہیِ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ 193 تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پُورا کرو۔ 194 اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو، تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ 195 یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ 196 اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ غلط رویّے سے بچیں گے

It has been made lawful for you to go to your wives during the nights of the fast days. They are as a garment to you and you are as a garment to them. Though Allah knew that you were secretly dishonest to yourselves, He has pardoned your guilt and forgiven you. NOW you are permitted to have intercourse with your wives and enjoy what Allah has made lawful for you. You are also permitted to eat and drink during the nights of the Fast months. until you can discern the white streak of dawn from the blackness of night. " Then (abstain from all these things and) complete your fast till night-fall. But you should not have intercourse with your wives while you confine yourselves to mosques. These are the bounds set by Allah; so do nut go near them. In this way Allah makes His Commands clear to mankind. It is expected that they will guard themselves against wrong ways. (Tafheem Translation)

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْبَقَرَة 190

یعنی جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ سکتا، بلکہ دونوں کا باہمی تعلق واتصال بالکل غیر منفک ہوتا ہے، اسی طرح تمہارا اور تمہاری بیویوں کا تعلق بھی ہے۔

سورۃ الْبَقَرَة 191

ابتدا میں اگرچہ اس قسم کا کوئی صاف حکم موجود نہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرے، لیکن لوگ اپنی جگہ یہی سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اس کے ناجائز یا مکروہ ہونے کا خیال دل میں لیے ہوئے بسا اوقات اپنی بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ یہ گویا اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت کا ارتکاب تھا اور اس سے اندیشہ تھا کہ ایک مجرمانہ اور گناہ گارانہ ذہنیت ان کے اندر پرورش پاتی رہے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اس خیانت پر تنبیہ فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ فعل تمہارے لیے جائز ہے۔ لہٰذا اب اسے برا فعل سمجھتے ہوئے نہ کرو، بلکہ اللہ کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قلب وضمیر کی پوری طہارت کے ساتھ کرو۔

سورۃ الْبَقَرَة 192

اس بارے میں بھی لوگ ابتداءً غلط فہمی میں تھے۔ کسی کا خیال تھا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور کوئی یہ سمجھتا تھا کہ رات کو جب تک آدمی جاگ رہا ہو، کھا پی سکتا ہے۔ جہاں سو گیا، پھر دوبارہ اٹھ کر وہ کچھ نہیں کھا سکتا۔ یہ احکام لوگوں نے خود اپنے ذہن میں سمجھ رکھے تھے اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ اس آیت میں انہی غلط فہمیوں کو رفع کیا گیا ہے۔ اس میں روزے کی حد طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک مقرر کر دی گئی اور غروب آفتاب سے طلوع فجر تک رات بھر کھانے پینے اور مباشرت کرنے کے لیے

آزادی دے دی گئی۔ اس کے ساتھ نبی ﷺ نے سحری کا قاعدہ مقرر فرما دیا تاکہ طلوع فجر سے عین پہلے آدمی اچھی طرح کھا پی لے۔

سورۃ الْبَقَرَة 193

اسلام نے اپنی عبادات کے لیے اوقات کا وہ معیار مقرر کیا ہے جس سے دنیا میں ہر وقت ہر مرتبہ تمدن کے لوگ ہر جگہ اوقات کی تعیین کر سکیں۔ وہ گھڑیوں کے لحاظ سے وقت مقرر کرنے کے بجائے ان آثار کے لحاظ سے وقت مقرر کرتا ہے جو آفاق میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مگر نادان لوگ اس طریق توقیت پر عموماً یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قطبین کے قریب، جہاں رات اور دن کئی کئی مہینوں کے ہوتے ہیں، اوقات کی یہ تعیین کیسے چل سکے گی۔ حالانکہ یہ اعتراض دراصل علم جغرافیہ کی سرسری واقفیت کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں نہ وہاں چھ مہینوں کی رات اس معنی میں ہوتی ہے اور نہ چھ مہینوں کا دن، جس معنی میں ہم خط استوا کے آس پاس رہنے والے لوگ دن اور رات کے لفظ بولتے ہیں۔ خواہ رات کا دور ہو یا دن کا بہر حال صبح و شام کے آثار وہاں پوری باقاعدگی کے ساتھ افق پر نمایاں ہوتے ہیں اور انہی کے لحاظ سے وہاں کے لوگ ہماری طرح اپنے سونے جاگنے اور کام کرنے اور تفریح کرنے کے اوقات مقرر کرتے ہیں۔ جب گھڑیوں کا رواج عام نہ تھا، تب بھی فن لینڈ، ناروے اور گرین لینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگ اپنے اوقات معلوم کرتے ہی تھے اور اس کا ذریعہ یہی افق کے آثار تھے۔ لہٰذا جس طرح دوسرے تمام معاملات میں یہ آثار ان کے لیے تعیین اوقات کا کام دیتے ہیں اسی طرح نماز اور سحر و افطار کے معاملے میں بھی دے سکتے ہیں۔

سورۃ الْبَقَرَة 194

رات تک روزہ پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جہاں رات کی سرحد شروع ہوتی ہے، وہیں تمہارے روزے کی سرحد ختم ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ رات کی سرحد غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا غروب آفتاب ہی کے ساتھ افطار کر لینا چاہیے۔ سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصے میں افق کے مشرقی کنارے پر سفیدہ صبح کی باریک سی دھاری نمودار ہو کر اوپر بڑھنے لگے، تو سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جب دن کے آخری

حصے میں مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہوتی نظر آئے تو افطار کا وقت آجاتا ہے۔ آج کل لوگ سحری اور افطار، دونوں کے معاملے شدت احتیاط کی بناپر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں۔ مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہی شب سے سپیدہ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔ اسی طرح افطار کے وقت میں بھی غروب آفتاب کے بعد خواہ مخواہ دن کی روشنی ختم ہونے کا انتظار کرتے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ سورج ڈوبتے ہی بلالؓ کو آواز دیتے تھے کہ لاؤ ہمارا شربت۔ بلالؓ عرض کرتے کہ یارسول اللہ ابھی تو دن چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ جب رات کی سیاہی مشرق سے اٹھنے لگے، تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

سورۃ الْبَقَرَة 195

معتکف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رمضان کے آخری دس دن مسجد میں رہے اور یہ دن اللہ کے ذکر کے لیے مختص کر دے۔ اس اعتکاف کی حالت میں آدمی اپنی انسانی حاجات کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے، مگر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو شہوانی لذتوں سے روکے رکھے۔

سورۃ الْبَقَرَة 196

یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے، عین اسی مقام کے آخری کناروں پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک ہے۔ سلامتی اس میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے۔ یہی مضمون اس حدیث میں بیان ہوا ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ لکل ملکٍ حمیً وان حمی اللہ محارمہ، فمن رتع حول الحمی،

یوشک ان یقع فیہ۔ عربی زبان میں حمیٰ اس چراگاہ کو کہتے ہیں، جسے کوئی رئیس یا بادشاہ پبلک کے لیے ممنوع کر دیتا ہے۔ اس استعارے کو استعمال کرتے ہوئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”ہر بادشاہ کی ایک حمیٰ ہوتی ہے اور اللہ کی حمیٰ اس کی وہ حدیں ہیں، جن سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم کیا ہے۔ جو جانور حمیٰ کے گرد ہی چرتا رہے گا، ہو سکتا ہے کہ ایک روز وہ حمیٰ کے اندر داخل ہو جائے۔“ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ جو شریعت کی روح سے ناواقف ہیں، ہمیشہ اجازت کی آخری حدوں تک ہی جانے پر اصرار کرتے ہیں اور بہت سے علما و مشائخ بھی اسی غرض کے لیے سندیں ڈھونڈ کر جواز کی آخری حدیں انہیں بتایا کرتے ہیں، تاکہ وہ اس باریک خط امتیاز ہی پر گھومتے رہیں، جہاں اطاعت اور معصیت کے درمیان محض بال برابر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بکثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا ہو رہے ہیں، کیونکہ ان باریک سرحدی خطوط کی تمیز اور ان کے کنارے پہنچ کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

ابتداً یہ حکم تھا کہ اگر روزہ دار افطار کے بعد سو جائے تو اس پر کھانا پینا اور بیویوں کے پاس جانا حرام ہے۔ اگر کسی کی آنکھ لگ جاتی اور پھر وہ اٹھتا تو اگرچہ طلوع فجر سے پہلے اٹھتا۔ اس کے لئے بیوی کے پاس جانا اور کھانا پینا حرام ہوتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ ایک صحابی پر افطار کے وقت نیند کا غلبہ ہو گیا اور آنکھ لگ گئی۔ اب اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ مسلسل دوسرے دن روزہ رکھے۔ ایک صاحب کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن اس نے بڑی مشکل سے روزہ پورا کیا۔ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی۔ اس طرح ایسے واقعات بھی ہوئے کہ افطار کے بعد ایک صاحب سو گئے، بیوی بھی سو گئی۔ جب جاگے تو ہم بستری کی اور رسول ﷺ تک بات پہنچ گئی۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر یہ حکم بھاری ہو رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مشکل حکم کو منسوخ کر دیا اور معاملہ آسان ہو گیا۔ چونکہ روزے

کے ان احکام میں مشکلات کا سامنا وہ کر چکے تھے۔ تجربہ ان کے ذہن میں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو انہوں نے خوب محسوس کیا۔ آیت نازل ہوئی اور ان کے لئے مغرب اور طلوع فجر کے درمیان کھنا پینا اور بیوی کے پاس جانا جائز قرار دیا گیا۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

"تمہارے لئے روزوں کے مہینے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے جانا جائز قرار دیا گیا ہے۔"

الرفث "کا مفہوم مباشرت کا آغاز ہے یا عین مباشرت۔ یہاں دونوں کا جواز مقصود ہے۔ دونوں جائز ہیں لیکن دوران بیان، قرآن مجید پر ایک نظر پھیرتا ہوا خوشگوار تاثر چھوڑے بغیر نہیں رہتا۔ میاں بیوی کے اس تعلق کے اندر ابریشم کی ملائمت، تازگی اور شیشے کی سی صفائی پیدا کی جاتی ہے۔ نیز اس کو حیوانی درشتگی اور حیوانی نقائص سے پاک کر دیا جاتا ہے۔"

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ "وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔"

لباس پردہ پوشی کرتا ہے۔ گرمی سردی سے بچاتا ہے، اسی میاں بیوی کا باہمی تعلق دونوں کا پردہ پوش ہے۔ ان کا محافظ ہے۔ اسلام مخلوق انسانی کو اس کی حقیقت واقعیہ کے لحاظ سے دیکھتا ہے۔ اور حقیقت واقعیہ کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے اور اس طرح یہ نظام انسان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اس کا نظریہ حیات۔ وہ گوشت و پوست کے فطری تقاضے پورے کرتا ہے اور پورے بھی کرتا ہے خوشگوار اور لطیف فضا میں، پاکیزگی کے لطیف پردوں میں۔

اللہ علیم و خبیر ہے۔ وہ بتا دیتا ہے کہ تمہارے خفیہ جذبات کیا ہیں؟ اور پھر دکھاتا ہے کہ وہ تمہارے فطری دواعی پورے کرنے کے لئے تمہاری حاجات کو پوری کرتا ہے۔

عَلِمَ اللّٰہُ أَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ

"اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے در گزر فرمایا۔"

یہ خیانت کیا تھی؟ ان کے دلوں میں دبی ہوئی خواہشات تھیں۔ خفیہ جذبات تھے جو ارتکاب جرم کا تقاضا کر رہے تھے ۔ یا مراد یہ ہے کہ تم چوری چھپے اس حکم کو توڑ رہے تھے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بعض حضرات سے اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہوا لیکن دونوں قسم کے حضرات کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ چونکہ ان کی کمزوری اور ناتوانی ظاہر ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ جانتے تھے چنانچہ ان کی حاجت روائی کر دی گئی فَالآنَ بَاشِرُوھُنَّ ''اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو۔''

لیکن اس کا جواز بھی رضائے باری سے جوڑ دیا گیا۔ حکم دیا گیا کہ اس میں بھی تم اللہ کی طرف متوجہ وَابْتَغُوا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ ''اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اسے حاصل کرو۔'' یعنی عورتوں سے جو لطف اندوزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جائز کر دی ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے نتیجے میں آنے والی اولاد سے بھی بہرمند بنو۔ دونوں چیزیں حکم خداوندی میں شامل ہیں۔ دونوں وہ سامان ہیں جن کا حاصل کرنا اور جن سے لطف اندوز ہونا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جائز قرار دے دیا ہے لیکن اس لطف اندوزی کے پس منظر میں گہری حکمت پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک بامقصد فریضہ ہے۔ یہ محض جسمانی طلب اور مجرد حیوانی تلذذ ہی نہیں ہے جس کا تعلق محض جنس سے ہو۔ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلق ایک بلند مقصد سے مربوط ہو کر فریضہ فطرت قرار پاتا ہے۔ وہ لطف و لذت کے مختصر لمحے کے بجائے انسانیت کے افق پر ایک بامقصد قرار پاتا ہے۔ اسلامی نظام حیات اور اسلام کی طرز زندگی کے اندر اس قسم کے اشارات و ارشادات دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے اندر کیا انقلاب لانا چاہتا ہے اور اسے کن خطوط پر ترقی دینا ہے یہ تمام کام وہ انسان کے حدود میں، اس کی قوت برداشت کے اندر اور اس کی پیدائشی مزاج

کے مطابق سر انجام دیتا ہے۔ یہ ہے تربیت، سربلندی اور ترقی کا اسلامی نظام۔ جس کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، جو اسے مخلوقات کے حالات سے خوب خبردار ہے۔ جو باریک بین اور لطیف و خبیر ہے۔

ان اوقات میں جس طرح بیوی کے پاس جانے کی اجازت دی گئی اسی طرح ان اوقات میں کھانے پینے کی اجازت بھی مل گئی۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

"راتوں کو کھاؤ یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نظر آجائے۔"

یعنی اس وقت تک افق اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر روشنی پھیل جائے۔ اس سے مراد افق پر سفید دھاری کا محض ''ظہور'' نہیں ہے۔ اس کو فجر کاذب کہتے ہیں۔ روزہ بند کرنے کے سلسلے میں جو روایات وارد ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ وقت طلوع الشمس سے تھوڑا پہلے ہے۔ آج کل ہمارے علاقے میں عام طور پر جو اوقات مقرر ہیں ہم انہی کے مطابق روزہ رکھتے ہیں۔ یہ اوقات شرعی وقت سے قدرے پہلے ہی ہیں اور مزید احتیاط کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔

ابن جریر (رح) نے اپنی سند سے، سمرہ بن جندبؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: ''ت میں بلال کی اذان اور ''مستطیل صبح'' کہیں تمہیں سحری سے نہ روک دے۔

اس سے مراد وہ صبح ہے جو افق میں پھیل جائے (المستطیر) اور طلوع آفتاب سے قدرے پہلے صبح پھیلتی ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ حضرت بلال سوئے ہوئے لوگوں کو سحری سے آگاہ کرنے کے لئے بہت سویرے اذان دیتے تھے اور ابن مکتوم آخر میں روزہ بند کرنے کے لئے اذان دیتے تھے۔ اس لئے کہا گیا کہ تم اذان بلال سے دھوکہ نہ کھاجاؤ۔

اس کے بعد مساجد میں اعتکاف کے دوران مباشرت کے حکم کا بیان ہوتا ہے۔ اعتکاف کے معنی ہیں مسجد میں علیحدہ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور سوائے حاجات ضروریہ کے مسجد سے نہ نکلنا۔ مثلاً کھانا پینا قضائے حاجت وغیرہ۔ یہ مستحب ہے اور رمضان شریف کے آخری عشرے میں کیا جاتا ہے۔ رمضان شریف کے آخری عشرے میں رسول

اللہ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، اعتکاف کا عرصہ عام معمولات زندگی سے الگ ہو کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس لئے تجرد اور علیحدگی کو مکمل کرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ اس عرصے میں بیویوں کے پاس جانے سے بھی اجتناب ہونا چاہئے۔ تاکہ نفس انسانی تمام آلائشوں سے علیحدہ ہو جائے اور دل تمام مشغولیات سے پاک ہو جائے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ

''اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔'' چاہے روزہ کا وقت ہو یعنی دن یا افطار کا وقت ہو یعنی رات۔ سب سے آخر میں تمام معاملے کو ذات باری کے ساتھ مربوط کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہر انضباطی حکم اور ہدایت کے معاملے میں قرآن مجید کا مستقل انداز بیان ہے۔ یعنی ہر امر میں، ہر نہی میں ہر حرکت میں اور ہر سکون میں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ''یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔''

یہاں اس شدت سے روکا گیا ہے کہ قریب ہی مت جاؤ، تاکہ انسان اور ممنوعات کے درمیان امن کا ایک لازمی علاقہ موجود ہو۔ جو چرندہ چراگاہ کے ارد گرد گھومتا ہے آخر کار اس میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر وقت انسان بھی اپنے نفس کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسی ممنوعات کے قریب گھومتا رہے جو مرغوب ہوں اور پھر اس اعتماد پر کہ وہ جب چاہے گا اپنے نفس پر قابو پالے گا۔ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایسے خطرناک امتحان میں ڈالے، چنانچہ یہ امت ایسے ہی معاملے سے وابستہ ہے جو پر لطف ہے اور مرغوبات میں سے ہے۔ اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ قریب ہی مت جاؤ۔ حالانکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ان ممنوعات کے اندر مبتلا ہونے سے بچو کہ قریب جانے کی ممانعت نہیں ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ احتیاط اور خدا خوفی سے کام لینا چاہئے

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے بصراحت بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔'' بتایا جاتا ہے کہ نزول قرآن اور تبلیغ آیات کا آخری مقصد خدا خوفی کا حصول ہے۔ یہ وہ قیمتی اور عظیم مقصد ہے جس کی اہمیت اور قدر و قیمت صرف ان لوگوں کے ہاں ہے جو ایمان لانے والے ہیں اور جو ہر دور میں قرآن کے طالب ہیں۔

روزہ کے بیان کی مناسبت سے، کھانے کی ایک اور قسم کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔اور وہ ہے لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا،انہیں مقدمات میں ملوث کرنا۔ چالاکی سے انہیں پھنسانااور ان کے خلاف حکام کے سامنے شواہداور قرائن فراہم کرنااور چالاکی اور چرب زبانی سے ان کے خلاف ڈگری حاصل کرلینا۔ یہ سخت ممنوع ہے۔ کیونکہ حاکم تو مقدمہ کے ظاہری حالات اور شہادت ودلائل کے مطابق ہی فیصلہ کرے گا۔اور اگر جھوئی شہادتیں پیش کردی جائیں تو یہ فیصلہ خلاف موقع ہوگا اس لئے یہ ممانعت اللہ کے مدد کے ذکر کے بعد خداخوفی اور خداترسی کی مسلسل دعوت کے بعد کی گئی ہے تاکہ نہی کا یہ اہم حکم خداخوفی کے ایسے ماحول میں وارد ہو جو انسان کو ارتکاب ممنوعات باز رکھے۔